وزیر آغا

پیدایش: ۱۹۲۲ء

وفات: ۲۰۱۰ء

تصانیف: غالب کا ذوقِ تماشا، انشائیہ کے خدوخال، شام اور سائے، دوسرا کنارا

میرا البم

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- کسی روزنامے یا ہفت روزہ رسالے یا میگزین میں شایع کرنے کے لیے مضمون لکھ سکیں۔ ۲- عبارت میں متعلق فعل کی شناخت کر سکیں۔ ۳- کسی مشہور و معروف ادبی یا سماجی شخصیت کے واقعات و تجربات اور مشاہدات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے انٹرویو کر سکیں۔

بے ترتیبی پھیلانا ہمارا قومی مشغلہ ہے، لیکن کبھی کبھی جب ہم بے ترتیبی پھیلاتے پھیلاتے بوریت سی محسوس کرنے لگتے ہیں تو منھ کا مزہ بدلنے کے لیے ترتیب اور قرینے کی مہم شروع کر دیتے ہیں۔ یہ گویا ایک طرح کا ذہنی ضابطہ ہے۔ ایک ایسے ہی ذہنی ضابطے کے تحت میں نے اپنے پُرانے کاغذات کی ''صفائی'' اور ترتیب کا ارادہ کیا اور ہر قسم کی بیرونی مداخلت سے بچنے کے لیے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے مقفل کر لیا۔ پھر میں کاغذات کے ان ڈھیروں سے نبرد آزما ہو گیا جو پچھلے کئی برس سے آہستہ آہستہ فَربہی کی طرف مائل ہوتے رہے تھے۔ اب اچھے خاصے کاغذی پہاڑ بن چکے تھے۔ ان ڈھیروں میں کیا کچھ نہ تھا۔ اخباروں کے تراشے، تقاریب کے دعوت نامے، دوستوں کے خطوط، ادھوری نظمیں، نامکمل مضامین کے مُسوّدے، ہوٹلوں کے بِل، رسیدیں اور نہ جانے کیا کیا کچھ۔

میں سوچنے لگا آخر میں نے یہ ''سب کچھ'' کیوں اکٹھا کر رکھا ہے کہ اب میرے لیے اس جنگل میں راستہ تلاش کرنا بھی ممکن نہیں رہا۔ مگر پھر مجھے خیال آیا کہ ان میں سے ہر چیز اپنے زمانے میں ضرور اہم ہو گی، ورنہ میں اس سے بہ آسانی پیچھا چھڑا چکا ہوتا۔ یا ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ انسان کی ذات میں چھپا ہوا طفلِ مادّہ پرست اُسے اشیا جمع کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اور پھر ایک روز یہ جمع شدہ اثاثہ وزنی ہو جاتا ہے کہ اس کے بوجھ تلے اس کا اپنا سانس بھی رُکنے لگتا ہے۔ بس جب بوجھ اتنا بڑھ جائے کہ سانس لینا بھی دشوار نظر آئے تو یہ مناسب ترین وقت ہے کہ فی الفور کوئی ذہنی ضابطہ نافذ کر کے خود کو سُبک سار کرنے کی مساعی کا آغاز کر دیا جائے۔

مگر تجربہ شاہد ہے کہ خود کو سبک سار کرنے کی یہ مہم اپنے ابتدائی فروش کے بعد بڑی تیزی سے کم زور پڑنے لگتی ہے اور پھر

کسی ایک مقام پر رُک کر اپنی ساری منصوبہ بندی سے قطع تعلق کر لیتی ہے۔ یہ مہم ایک طرح کی سمندری موج ہے جو اپنی اوّلین یلغار میں سطحِ سمندر پر پھیلی ہوئی اَن گنت بدنما سلوٹوں پر پانی تو پھیرتی ہے مگر جب اس کے بعد رُکتی ہے تو سمندر کی سطح پر پہلے سے بھی زیادہ سلوٹیں نمودار ہو جاتی ہیں۔ میرے معاملے میں یہ ہوا کہ کاغذات کو اُلٹتے پلٹتے، گرد و غبار میں راستہ بناتے اور بعض دیمک زدہ مسوّدات کو الگ کرتے ہوئے مجھے اچانک ایک نہایت بدوضع اور کرم خوردہ سا پیکٹ دکھائی دیا اور میں لحظہ بھر کے لیے رُک گیا۔ اس وقت مجھے اس بات کا گمان بھی نہیں تھا کہ میرا یہ رُکنا مستقل نوعیت کا ہو گا اور میں کچھ اس طرح کھو جاؤں گا کہ میرے ذہن سے صفائی کا جِن ہی رُخصت ہو جائے گا۔ یہ پیکٹ دراصل میرا ایک بہت پرانا البم تھا جو آج سے کئی برس پہلے گم ہوا اور پھر تلاشِ بسیار کے باوجود ہاتھ نہ آسکا اور اب کہ میں اس کی ضرورت، بل کہ وجود تک سے بے نیاز ہو چکا تھا، وہ ایک بھولی بسری یاد کی طرح وقت کی شاخ سے ٹُوٹا اور میری پھیلی ہوئی جھولی میں آن گرا۔

میں نے البم پر سے گرد جھاڑنے کے لیے اسے ہلکی سی تھپکی دی اور پھر اس کے پُھولے ہوئے چمڑے کی جلد کو ایک طرف سے اُوپر اٹھایا۔ تب اچانک البم کے پہلے ہی صفحے پر مجھے ایک چمکتی ہوئی تصویر دکھائی دی۔ پہلی نظر میں تو میں ان صاحب کو پہچان بھی نہ سکا جو سر پر سیاہ بالوں کا ایک گھنا جنگل اٹھائے، ایک کالی عبا زیب تن کیے، اپنے سیدھے ہاتھ کے پنجے میں ایک لمبی اور گول سی کاغذ کی نلکی مضبوطی سے پکڑے، فوٹو گرافر کے حکم کی تعمیل میں اپنے سُوکھے ہوئے ہونٹوں پر ایک بھیگی سی خفّت آمیز مسکراہٹ سجائے کھڑے تھے۔ مگر پھر دوسرے ہی لمحے میں نے ان صاحب کو پہچان لیا، کیوں کہ یہ میری اپنی تصویر تھی۔ اُس روز آج سے تقریباً چالیس سال اُدھر مجھے ایم-اے کی سند ملی تھی اور میں بھاگم بھاگ انار کلی کے ایک فوٹو گرافر کے اسٹوڈیو میں جا پہنچا تھا۔ میں سوچنے لگا، نہ جانے وہ فوٹو گرافر اب زندہ بھی ہے یا نہیں اور وہ کرائے کی کالی عبا اب تک ضرور تار تار ہو چکی ہو گی اور وہ ایم-اے کی حسین سند؟ کہاں ہے وہ سند؟ ان کاغذوں کے انبار میں دیمک کے متعدد اور مسلسل حملے سہنے کے بعد اپنے مسخ شدہ چہرے کو چھپائے کہیں نہ کہیں ضرور دُبکی پڑی ہو گی۔ شاید کسی روز البم کی طرح وہ بھی دکھائی دے جائے۔

میں چند صفحے آگے بڑھا تو مجھے ایک مدھم سی تصویر دکھائی دی جو کسی سستے کیمرے اور اناڑی فوٹو گرافر کی چُغلی کھا رہی تھی۔ تصویر ایک پہاڑی علاقے کی تھی۔ پس منظر میں چیڑ کے درختوں سے لدا ہوا ایک پہاڑ کھڑا تھا اور پہاڑ کے قدموں میں ایک کائی زدہ چٹان پر پھولے ہوئے گالوں اور چمکتی ہوئی آنکھوں والے دو لڑکے بیٹھے تھے۔ ان میں ایک شمس تھا اور دوسرا میں۔ پھر مجھے یاد آیا کہ اس روز میں شمس کے دادا جان کی پہاڑی اِقامت گاہ پر انھیں سلام کرنے گیا تھا اور انھوں نے اپنے چار پانچ پوتوں کی قطار میں مجھے ایک قابلِ عزّت مقام پر بٹھا کر گھنٹہ بھر اخلاقیات پر لیکچر دیا تھا اور جب ہماری حالت غیر ہونے لگی تھی تو ازراہِ کرم اپنی آستین سے ایک چِتکبرا کیلا نکال کر ہم میں تقسیم کر دیا تھا۔ شمس کے دادا جان ایک نہایت کنجوس مگر بڑے ہی شفیق اور انصاف پسند بزرگ تھے۔ اس روز بھی انھوں نے اس اکلوتے کیلے کو تقسیم کرنے سے پہلے اس پر پنسل سے نشانات لگائے تھے، تاکہ ہم میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہو اور پھر کیلے کو گنڈیریوں کی طرح کاٹ کر ہم میں تقسیم کر دیا تھا۔ پھر

جب ہمیں چھٹی ملی تھی تو ہم دادا جان کے کمرے سے آزاد کیے گئے قیدیوں کی طرح دیوانہ وار نکلے تھے اور پہاڑی بکروں کی طرح قُلانچیں بھرتے ہوئے چٹانوں پر چڑھ گئے تھے۔ یہ تصویر اسی جشنِ آزادی کے موقعے پر ہمارے کسی ہم عمر نے اتاری تھی۔ وہ ہم عمر کون تھا؟ کچھ یاد نہیں۔

البم کے اگلے صفحے پر مجھے ایک ایسی تصویر دکھائی دی کہ ایک پُورا دور ہُمک کر میری گود میں آ گرا۔ اس تصویر میں میری والدہ پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ سامنے کھانے کا ٹرے رکھا تھا۔ ان کے ایک ہاتھ میں لقمہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں پنکھا۔ پاس ہی میرے بڑے بھائی جان بیٹھے تھے۔ نہ جانے انھوں نے کیا بات کہی کہ والدہ بے اختیار ہنس پڑیں۔ عین اُس وقت میں نے اپنے کیمرے کا رُخ ان کی طرف کیا اور اس درخشاں لمحے کو کاغذ پر منتقل کر لیا۔ میری والدہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور بڑے بھائی جان بھی رُخصت ہو چکے، مگر یہ ہنستا ہوا منوّر لمحہ بہ دستور زندہ ہے۔ ایک مدّت کے بعد میں نے اپنے کھوئے ہوئے البم میں اس لمحے کو پہلی سی تابانی کے ساتھ ہنستے ہوئے دیکھا تو خود بھی کِھل اُٹھا، جیسے کوئی بہت بڑا انعام مل گیا ہو۔

میں البم کے گہرے غار میں اترتا چلا گیا۔ اس غار کے ہر موڑ پر مجھے کوئی نہ کوئی لمحہ دست بستہ کھڑا ملا۔ بعض لمحے جو نو وارِد تھے، بڑی آسانی سے یاد کی گرفت میں آ گئے لیکن بعض لمحے ایسے بھی تھے جو یادداشت کی سرحد پار کر چکے تھے اور اب منّت سماجت پر بھی واپس آنے کو تیار نہ تھے۔ یوں بھی زمانے کی مرطوب ہوا نے ان پر سبز کائی کا ایک غلاف کچھ اس طور چڑھا دیا تھا اور ان کے خدّ و خال تک ماند پڑ گئے تھے کہ اب ان سے وابستہ کوئی ایک یاد بھی باقی نہیں تھی۔ اگر میرے البم میں صرف اسی ایک قسم کے متحجرات ہوتے تو میں فی الفور اسے دوبارہ ردّی کے انبار پر پھینک دیتا مگر اس میں تو درجنوں تصاویر ایسی بھی تھیں جو نظر کے ہلکے سے لمس پر باقاعدہ دھڑکنے اور سانس لینے لگتیں اور ان سے منسلک ایک پورا عہد انگڑائی لے کر بے دار ہو جاتا۔ شاید البم کی سب سے بڑی خُوبی بھی یہی ہے کہ وہ اپنے دامن میں زندہ اور متحرّک لمحوں کی ایک پوری کھیپ چھپائے ہوتا ہے۔ اگر البم کی تصویریں یاد کے نُورانی حلقوں سے محروم ہو جائیں اور ان سے وابستہ، چمکتے ہوئے لمحات بجھ جائیں تو البم، البم نہیں رہتا، تصویروں کا مُردہ خانہ بن جاتا ہے۔ البم تو البم والے کی شخصی جائداد ہے لیکن ایک ایسی جائداد جسے کوئی اور اپنے تصرّف میں لا ہی نہیں سکتا۔

روشنی ماند پڑنے لگی تھی۔ میں نے اپنے ''یوسفِ گُم گشتہ'' کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور پھر بڑی محنت سے الگ کیے ہوئے مسوّدات کو دیمک زدہ کاغذی پہاڑوں پر جگہ جگہ ڈھیر کر دیا۔ اب کمرے کا انتشار پہلے سے بھی کئی گنا نظر آ رہا تھا۔ فضا میں گرد کے لاکھوں ذرّات اُڑ رہے تھے اور میرا سانس رکنے لگا تھا۔ مگر میرا البم میری جیب کے اندر ضیا پاش تھا اور خُوشی میری آنکھوں سے پھُوٹ رہی تھی۔

(ماخوذ از: دوسرا کنارا)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) مصنف کو کاغذات کے ڈھیر میں سے کیا کیا ملا؟

(ب) البم کے پہلے صفحے پر کس کی تصویر دکھائی دی اور یہ تصویر کس موقعے پر بنوائی گئی تھی؟

(ج) والدہ کی تصویر دیکھ کر مصنف نے کن تاثرات کا اظہار کیا ہے؟

(د) انشائیہ نگار نے البم کو "یوسفِ گم گشتہ" کیوں کہا؟

(ہ) انشائیہ نگار کے خیال میں البم کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟

(و) انسان اپنے ماضی کو اس قدر عزیز کیوں رکھتا ہے؟

سوال ۲: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ سیاق وسباق کیجیے:

(الف) ''یہ مہم ایک طرح کی سمندری موج ہے جو اپنی اوّلین یلغار میں سطحِ سمندر پر پھیلی ہوئی اَن گنت بدنما سلوٹوں پر پانی تو پھیرتی ہے مگر جب اس کے بعد رُکتی ہے تو سمندر کی سطح پر پہلے سے بھی زیادہ سلوٹیں نمودار ہو جاتی ہیں۔''

(ب) ''انسان کی ذات میں چھپا ہوا طفلِ مادّہ پرست اُسے اشیا جمع کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اور پھر ایک روز یہ جمع شدہ اثاثہ وزنی ہو جاتا ہے کہ اس کے بوجھ تلے اس کا اپنا سانس بھی رُکنے لگتا ہے۔''

(ج) ''بعض لمحے ایسے بھی تھے جو یادداشت کی سرحد پار کر چکے تھے اور اب منّت سماجت پر بھی واپس آنے کو تیار نہ تھے۔ یوں بھی زمانے کی مرطوب ہوا نے ان پر سبز کائی کا ایک غلاف کچھ اس طور چڑھا دیا تھا اور ان کے خدّ و خال تک ماند پڑ گئے تھے۔''

سوال ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- تلاشِ بسیار کے باوجود ہاتھ نہ آ سکا:

(الف) خط (ب) البم (ج) دعوت نامہ (د) اخبار

۲- میں کاغذات کے ان ڈھیروں سے ہو گیا:

(الف) نبرد آزما (ب) دست آزما (ج) تیغ آزما (د) جرأت آزما

۳- تصویر میں والدہ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھے تھے:

(الف) ابّو جان (ب) بھائی جان (ج) تایا جان (د) دادا جان

۴- اس سبق میں "یہ تصویر اسی جشنِ آزادی کے موقعے پر..... اتاری تھی" سے مراد ہے:

(الف) انگریز کی غلامی سے آزادی ملنے کا دن (ب) ۲۳ مارچ کا دن

(ج) ۱۴/اگست کا دن (د) دادا جان کے کمرے سے باہر نکلنے کی خوشی کا دن

۵- سبق میں "البم کے گہرے غار میں اترتا چلا گیا" کا مطلب ہے:

(الف) البم میں گہرے غار کی تصویر کو دیکھتا رہا

(ب) البم میں موجود اپنی پرانی تصویروں کے واقعات میں گم ہو گیا

(ج) البم کے بوسیدہ اوراق کو دیکھتا رہا

(د) البم میں بارش یا دیمک کی وجہ سے پڑنے والے سوراخوں کو دیکھتا رہا

سوال ۴: دیے گئے الفاظ و تراکیب کے معنی لکھتے ہوئے انھیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

یادداشت - ضابطہ - بدوضع - مساعی - زیب تن - اقامت گاہ - ضیاپاش

☆ ان ڈھیروں میں کیا کچھ نہ تھا۔ اخباروں کے تراشے، تقاریب کے دعوت نامے، دوستوں کے خطوط، ادھوری نظمیں، نامکمل مضامین کے مُسوّدے، ہوٹلوں کے بِل، رسیدیں اور نہ جانے کیا کیا کچھ۔

درج بالا جملوں میں سکتہ (،) اور ختمہ (۔) کی علامت استعمال کی گئی ہے۔ کسی ایک لفظ یا فقرے کے بعد تھوڑا سا ٹھہرنے کے لیے جو علامت استعمال کی جاتی ہے، اسے سکتہ (،) کہتے ہیں۔ جملے کے ختم ہونے پر جو علامت استعمال کی جاتی ہے اسے ختمہ (۔) کہتے ہیں۔

سوال ۵: پانچ جملے لکھیے جن میں سکتہ اور ختمہ کی علامت استعمال کی گئی ہو۔

☆ انشائیہ: کسی موضوع پر شخصی اور انفرادی طرز کے تحریری اظہار کو انشائیہ کہتے ہیں۔ انشائیے میں واقعات سے زیادہ تاثرات اہمیت رکھتے ہیں۔ صنف کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں بلکہ موضوع کے انوکھے پہلو سامنے لائے جاتے ہیں۔ انشائیہ کا حسن اسی انوکھے پہلو میں ہے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ اپنے شہر کی کسی شخصیت کا انٹرویو کریں گے۔

۲- ہر طالبِ علم انٹرویو سے جمع کی گئی معلومات کی بنیاد پر متعلقہ شخصیت پر مضمون/ خاکہ تحریر کرے گا۔

۳- طلبہ اپنی دل چسپی کے کسی موضوع پر اخبار/ رسالے/ میگزین کے لیے مضمون لکھیں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کو انٹرویو کرنے کے لیے ذہنی اور عملی طور پر تیار کیجیے۔

۲- طلبہ کو انٹرویو کی افادیت اور اہمیت سے آگاہ کیجیے۔

۳- طلبہ کو علمی/ ادبی موضوعات پر غور و فکر کرنے اور اپنے خیالات قلم بند کرنے کی ترغیب دیجیے۔